قرآن کی نظر میں
دینی ثقافت کا مقام اور اہمیت

سید رمیز الحسن موسوی*
Srhm2000@yahoo.com

کلیدی کلمات: ثقافت، تہذیب، اعتقادات، اقدار، عرب معاشرہ، تعلیم وتربیت

خلاصہ

انسانی زندگی کا ثقافتی پہلو بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر انسان کی ثقافت گم ہو جائے تو زندگی کے دوسرے پہلو بھی متاثر ہوتے ہیں۔ ثقافت سے ہی اجتماعی زندگی میں انسان کی شناخت ہوتی ہے۔ دانشوروں کے مطابق "ثقافت اکتسابی یا ارادی یا شعوری طرز عمل کا نام ہے"۔ البتہ آج تک ثقافت یا کلچر کی کوئی جامع تعریف نہیں ہو سکی۔ ثقافت کو تشکیل دینے والے عناصر میں سب سے اہم عنصر عقائد و نظریات ہیں۔ مختلف اقوام میں گہری تبدیلیاں، عقائد و نظریات کی تبدیلی کے ساتھ ہی رونما ہوتی ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے سے عربوں کے عقائد بدلے ہیں اور عقائد بدلنے سے اُن کی ثقافت میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ ثقافت اور رسوم و آداب جیسے کلمات کے ساتھ اسلام کے لاحقے سے مراد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اسلام سے اخذ کی گئی ہیں۔ جب کسی معاشرے پر دینی و قرآنی اعتقادات کی حاکمیت ہو تو ایسا معاشرہ قرآنی و اسلامی ثقافت کے تابع ہو گا اور اس کا کوئی بھی ثقافتی فعل قرآنی تعلیمات کے منافی نہیں ہو گا۔

قرآن کی نظر میں خدا کے برگزیدہ بندے ہی انسانی ثقافت کے سرپرست قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے معاشروں کے ثقافتی امور کی ذمہ داری قبول کرنے والوں کو برتری عطا فرمائی ہے۔ قرآن کی نظر میں حقیقی انسانی، معنوی اور پاکیزہ زندگی صحیح اور الٰہی ثقافت ہی کے زیر سایہ میسر آ سکتی ہے۔ قرآن کی نظر میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور دین پر عمل ہی سے انسانوں کی مادی اور دنیوی زندگی میں رونقیں برقرار ہو سکتی ہیں۔ قرآن کے مطابق دینی ثقافت کی ترویج الٰہی فریضہ ہے۔ دینی ثقافت کے ماہرین کا سب سے بڑا جہاد قرآنی علوم و معارف کی ترویج ہے۔

---

* ۔مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بھارہ کہو، اسلام آباد۔

تمہید

انسانی زندگی کے چار پہلو بہت اہمیت رکھتے ہیں ، جنہیں سیاسی ، معاشی ،اجتماعی اور ثقافتی پہلو کہتے ہیں ۔ انسانی زندگی کے ان سب پہلوؤں میں انسان کے ثقافتی پہلو کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔اگر انسان اپنی ثقافت کو گم کر دے تو اس کی زندگی کے دوسرے تمام پہلو بھی متاثر ہونے لگتے ہیں اور وہ سیاسی، معاشی ،اجتماعی لحاظ سے بھی گم ہو جاتا ہے ۔انسان کی زندگی میں ہر بنیادی تبدیلی اُس کی ثقافت کے تابع ہو تی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسانی زندگی کے تمام پہلو ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں ۔ لیکن انسان کے مذکورہ تینوں پہلو اس کی ثقافت سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں ۔انسان کی زندگی میں ثقافت کی حیثیت ،انسانی بدن میں دوسرے اعضا کے مقابلے میں مغز و اعصاب جیسی ہے۔اگر انسان کا دماغ اور اعصاب کام کرنا چھوڑ دیں تو تمام بدن بیکار ہو جاتا ہے۔اس سے پہلے کہ ہم ثقافت کے انسانی زندگی پر اثرات کو قرآنی آیات کی روشنی میں دیکھیں، خود ثقافت کا مفہوم اور معنیٰ ذکر کرتے ہیں۔

ثقافت

ثقافت عربی زبان کا لفظ ہے جس سے مراد کسی قوم یا طبقے کی تہذیب ہے۔ علماء نے اس کی یہ تعریف کی ہے :''ثقافت اکتسابی یا ارادی یا شعوری طرز عمل کا نام ہے''۔ اکتسابی طرز عمل میں ہماری وہ تمام عادات، افعال، خیالات اور رسوم اور اقدار شامل ہیں جن کو ہم ایک منظّم معاشرے یا خاندان کے رکن کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں یا ان پر عمل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ایک انگریز ماہر نفسیات کے مطابق '' علم، دانش، ہنر، افکار، عقائد، قوانین، مقررات، آداب، رسوم اور دستورات کے مجموعہ کا نام ثقافت ہے'' خلاصہ یہ کہ وہ تمام تعلیمات وعادات جو ایک انسان اپنے معاشرہ کا عضو ہونے کے عنوان سے حاصل کرتا ہے انہیں ثقافت کہا جاتا ہے۔

انگلش زبان میں ثقافت کے مترادف جو کلمہ استعمال ہوتا ہے وہ کلچر ہے۔ تاہم آج تک ثقافت یا کلچر کی کوئی جامع و مانع تعریف نہیں ہو سکی۔ لفظ ثقافت کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کلمہ کی بعض تعریفیں عام مفہوم اور بعض خاص مفہوم کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔(1) اردو میں ثقافت کے مترادف ایک اور لفظ استعمال ہوتا ہے وہ ''تہذیب'' ہے۔اس سلسلے میں فیض احمد فیض کہتے ہیں : ''کلچر کے لئے ہمارے ہاں کوئی لفظ موجود نہیں ہے ہمارے ہاں پرانا لفظ تہذیب ہے جسے ہم "سی وی لیزیشن" اور " کلچر " دونوں کے لئے استعمال کرتے ہیں''۔(2)

ثقافت سے ہی اجتماعی زندگی میں انسان کی شناخت ہوتی ہے اور یہی چیز ایک قوم وملت کی سب سے بڑی میراث سمجھی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک کسی قوم کی میراث اس کے قدیم سکے، برتن، زیورات، لباس اور دیگر آثار قدیمہ ہیں، لیکن دیکھا جائے تو کسی قوم کی میراث فقط یہی چیزیں نہیں ہیں، بلکہ اُس قوم وملت کی رسوم وآداب، قومی وملی اقدار اور اعتقادات اس کی سب سے اہم میراث ہیں جن سے اُس کی ثقافت تشکیل پاتی ہے۔
اس سے واضح ہوا کہ انسان کی ثقافت جن عناصر سے تشکیل پاتی ہے اُن میں سب سے اہم عنصر اُس کے عقائد اور نظریات ہیں۔ جیسا کی تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ مختلف اقوام وملل کے درمیان پیدا ہونے والی گہری سیاسی واجتماعی تبدیلیاں ،اُن کے اعتقادات کی تبدیلی کے ساتھ رونما ہوئی ہیں اور دین کے سلسلے میں بھی سب سے اہم چیز اُصول دین ہیں کہ جنہیں اعتقادات کہا جاتا ہے۔
مثلاً پیغمبر اکرم ﷺ کی بعثت کی برکت سے عرب معاشرے میں جو تبدیلی اور انقلاب برپا ہوا ہے، اس کا سب سے بڑا سبب وہ اعتقادات تھے، جو پیغمبر اکرم ﷺ کی وجہ سے اس معاشرے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے کہ عرب معاشرہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے انتہائی پستی میں مبتلا تھا۔ بت پرستی ،جہالت ، قتل وغارت اور وحشیانہ طرز زندگی، قساوت قلب اور فقر وفاقہ اس معاشرے کی نمایاں خصوصیت تھیں۔(3)
لیکن رسول خدا ﷺ نے انتہائی کم عرصے میں اس معاشرے میں انقلاب برپا کردیا تھا۔آپ ﷺ نے لوگوں کو خداوند یکتا کی طرف دعوت سے اپنے کام کا آغاز کیا اور مشرکین عرب کو قیامت کے عذاب سے ڈرایا۔جب لوگوں نے پروردگار عالم اور روز معاد کی حقانیت کو قبول کرلیا تو ان کے طرز زندگی اور معاشرت میں نمایاں تبدیلی رونما ہونے لگی ،اُن کے رہن سہن کا انداز بدل گیا اور اُنہوں نے قتل وغارت کو چھوڑ کر بھائی چارے اور ایثار وفداکاری کو اپنا لیا۔ عداوت اور دشمنی برادری اور اُخوت میں تبدیل ہو گئی اور جہالت ونادانی کی جگہ علم ودانش نے لے لی ۔اس طرح مسلمان آہستہ آہستہ اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے ۔اور بڑی بڑی بادشاہتیں دین اسلام کے سامنے ہیچ نظر آنے لگیں اور مسلمان دین اسلام کے تابع ایک عظیم تمدن تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے ۔قرآن کریم مسلمانوں کو اسی نعمت کی یاددہانی کراتے ہوئے فرماتا ہے :

'' وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ '' (4)

ترجمہ: ''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو، اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم (دوزخ کی) آگ کے گڑھے کے کنارے پر (پہنچ چکے) تھے پھر اس نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا، یوں ہی اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔''

پیغمبر اکرم ﷺ نے اس عظیم انقلاب کا آغاز انسانوں کے کائنات کے بارے میں تصور اور عقائد کو تبدیل کرنے سے کیا تھا۔جب اعتقادات ،الٰہی بن گئے تو اقدار اور نظریات بھی تبدیل ہو گئے ۔جس کے نتیجے میں انسانوں کے کردار اور رفتار میں بھی انقلاب بر پا ہو گیا تھا۔ مفسرین نے سورۂ زلزال کے ذیل میں ایک قصہ نقل کیا ہے جس میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کی: '' جو کچھ خدا نے آپ کو تعلیم دی ہے اس میں سے مجھے بھی تعلیم دیجئے۔'' پیغمبر اکرم ﷺ نے اسے اپنے اصحاب میں سے ایک کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اسے قرآن کی تعلیم دے۔اور اس نے اسے سورہ ''اذا زلزلت الارض'' کی آخر تک تعلیم دی۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: میرے لئے تو یہی کافی ہے۔(ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس نے کہا: ''تکفینی ھٰذہ الاٰیۃ '' یہی ایک آیت میرے لئے کافی ہے)۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ ایک مرد فقیہ ہو گیا ہے۔(اور ایک روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: ''رجع فقیھا'' وہ فقیہ ہو کر لوٹا ہے) اس کی وجہ بھی واضح ہے، کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہو کہ ہمارے اعمال، چاہے ایک ذرہ کے برابر ہوں، یا رائی کے ایک دانہ کے برابر، ان کا حساب لیا جائے گا، تو وہ آج ہی سے اپنے حساب وکتاب میں مشغول ہو جائے گا اور اس کا اس کی تربیت پر سب سے زیادہ اثر ہوگا۔ (5)

انسانی ثقافت اور سیاسی واجتماعی تبدیلیوں پر اعتقادات کے اثر انداز ہونے کی ایک اور مثال معاصر مغربی معاشرہ ہے۔ صنعتی انقلاب خصوصاً معاصر جدید سائنسی پیشرفت کی وجہ سے جو تبدیلیاں مغربی معاشروں میں رونما

ہوئی ہیں ان کی بازگشت چند بنیادی فلسفیانہ اعتقادات کی طرف ہوتی ہے۔جن میں سیکولرازم، پلورازم اور لبرل ازم وغیرہ جیسے نظریات ہیں۔ان فلسفی نظریات نے مغربی معاشرے کو مکمل طور پر تبدیل کردیا ہے اور دین اور ماورائے طبیعت مسائل ثانوی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور انسان خدا کی جگہ لے چکا ہے۔
اسی لئے اس معاشرے پر دنیاپرستی ،لذت پرستی اور انفرادیت پسندی حاکم ہو چکی ہیں۔بلا شک وشبہ مغربی معاشرے کی یہ تبدیلی اس کے اعتقادات اور نظریات میں تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور ان جدید مادہ پرستانہ نظریات نے اس علاقے کے کلچر کو بھی مکمل طور پر تبدیل کردیا ہے۔اب دنیا کے جس علاقے میں بھی یہ نظریات پھیل رہے ہیں یا پھیلائے جا رہے ہیں،وہاں کی ثقافت بھی تبدیل ہو رہی ہے۔حتیٰ گزشتہ صدی میں مسلمان معاشروں میں بھی دینی اعتقادات کی بنیادیں کمزور ہونے کی وجہ سے مغربی ثقافت پھیلتی چلی گئی۔
اس تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی معاشروں کے اعتقادات ، نظریات ،اقدار اور آداب ورسوم کا نام ثقافت ہے اور ان چیزوں کے بدلنے سے انسان کی ثقافت بھی بدل جاتی ہے۔اس لئے ثقافت کی اہمیت اور مقام انسان زندگی میں بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کا تعلق اس کے زندگی کے تمام پہلوؤں سے ہے۔اس کے تبدیل ہونے سے اس کے دوسرے پہلو بھی تبدیل ہونے لگتے ہیں۔اس سلسلے میں امام خمینیؒ لکھتے ہیں : " ثقافت کسی قوم وملت کی بنیاد ہے، اس ملت کی قومیت اور ایک قوم ہونے کی علامت ہے اور کسی ملت کے استقلال کی مضبوط بنیادوں کی نشانی ہے۔ لہٰذا دشمن نے کوشش کی ہے کہ ہماری ثقافت کو استعماری بنا دے اور ان کی جدوجہد صرف اس بات کیلئے تھی کہ ہمارے ملک میں صحیح معنی میں کوئی انسان پیدا نہ ہو۔"(6)

اسلامی ثقافت

لغت میں اسلام سے مراد اطاعت ،فرمانبرداری، سر جھکانا ہے اور اصطلاح میں اُن تمام الٰہی اور آسمانی عقائد اور احکام کے مجموعے کو اسلام کہا جاتا ہے جو خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔بنابریں ثقافت ،اقدار ،اعتقادات ،رسوم وآداب کے ساتھ اسلام کے لاحقے سے مراد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اسلام سے اخذ کی گئی ہیں۔چونکہ تمام مسلمان دین اسلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی کے احکام پر عمل پیرا ہیں لہٰذا ان کے رہن سہن اور آداب ورسوم کو اسلامی کہا جاتا ہے اور ان کی ثقافت بھی دین اسلام کے تابع ہوتی ہے۔فیض احمد فیض اسلامی کلچر کے بارے میں کہتے ہیں: "اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب ہے اس

لئے ہر مسلمان قوم کا کلچر اسلامی کلچر ہے، ہر مسلمان قوم کی تہذیب اسلامی تہذیب ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہر اسلامی ملک کی ایک قومی تہذیب بھی ہے ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔" (7)

ایک اور مقام پر وہ کلچر اور تہذیب پر اسلام کے اثرانداز ہونے کے بارے میں کہتے ہیں: "تاریخی لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام عرب کے خطے سے نکل کر جہاں بھی پہنچا، اس نے اسلامی تہذیب کو جامعیت سے جنم دیا۔ چنانچہ یہ کہنا سراسر غلط ہوگا کہ دین اسلام کا قومی تہذیبوں پر اثر نہیں ہوا۔ جہاں بھی ہمارا دین پہنچا ہے، اس نے وہاں کے معاشرے میں انقلاب پیدا کیا ہے اور اس انقلاب کی وجہ سے مختلف اسلامی ممالک کی قومی تہذیبوں میں ایک نہایت بنیادی فرق پیدا ہوا ہے اسی قسم کا بنیادی انقلاب اسلام آنے کے بعد ہندوستان کی تہذیب میں بھی پیدا ہوا ہے، جس کی وجہ سے یہاں کے وہ لوگ جو کہ مسلمان ہیں ان کی تہذیب یہاں کے ان لوگوں سے جو کہ غیر مسلم تھے، الگ ہو گئی اسی کی بنیاد پر ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا۔" (8)

خلاصہ یہ کہ جب کسی معاشرے پر دینی وقرآنی اعتقادات و اقدار کی حاکمیت ہو اور اس معاشرے کے تمام لوگ دینی قدروں پر اعتقاد رکھتے ہوں اور قرآن جیسی آسمانی کتاب کو اپنے لئے دستور حیات سمجھتے ہوں تو ایسا معاشرہ قرآنی و اسلامی ثقافت کے تابع ہوگا اور اس کا کوئی بھی ثقافتی فعل قرآنی تعلیمات کے منافی نہیں ہوگا اور اس پر حاکم تمام قدریں قرآن و اسلام ہی کے تابع ہوں گی، اُس کی معیشت سے لے کر سیاست تک قرآنی و دینی تعلیمات کی روشنی میں انجام پائے گی۔

قرآن کی نظر میں ثقافت کی اہمیت

قرآن کریم کی نظر میں انسان کی ثقافت خصوصاً اُس کے اعتقادات اور اقدار کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس مقالے میں دینی ثقافت کی اہمیت اور مقام و منزلت کو قرآن کی نظر میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات ملتی ہیں جن سے قرآن کی نظر میں ثقافت کی اہمیت اور مقام و منزلت نمایاں ہوتی ہے۔ ہم یہاں چند آیات کو بطور مثال ذکر کرتے ہیں:

معاشرتی ثقافت کے سرپرست

قرآن کی نظر میں خدا کے برگزیدہ بندے ہی انسانی ثقافت کے سرپرست قرار پاتے ہیں۔ قرآن انسانی ثقافت کو پسندیدہ اور الٰہی ثقافت میں تبدیل کرنے کے لئے اپنے برگزیدہ اور خالص بندوں کو انسانوں کی طرف مبعوث فرماتا ہے، جو انسانوں کی طاغوتی ثقافت سے الٰہی ثقافت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں:

" وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔ "(9)

ترجمہ: " ہم نے ہر قوم اور اُمت میں کچھ رسول بھیجے ہیں تاکہ وہ خدائے یکتا کی عبادت کریں اور طاغوت سے اجتناب کریں۔"

پھر فرمایا:

" لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔ "(10)

ترجمہ: "خدا نے مؤمنین پر احسان کیا (کہ انہیں ایک عظیم نعمت بخشی) جبکہ ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

اس آیت کے مطابق پیغمبر اکرم ﷺ نے تین پروگرام پیش کئے ہیں:

پہلا: پروردگار عالم کی آیات پڑھنا، تلاوت کرنا اور لوگوں کے کانوں اور افکار کو ان آیات سے آشنا کرنا۔ **دوسرا**: تعلیم یعنی ان حقائق کو ان کی روح تک پہنچانا۔ **تیسرا**: تزکیہ نفس کرنا، یعنی اخلاقی وانسانی ملکات کی تربیت اور نشوونما، چونکہ اصلی ہدف تربیت ہے۔اور یہ تینوں کام انسانوں کے افکار واعتقادات، اقدار اور طرز معاشرت کو بدل دیتے ہیں۔یعنی انسان کی ثقافت انہی تینوں کاموں کی وجہ سے تبدیل ہو جاتی ہے اور انبیائے کرام یہ تبدیلی لاتے ہیں۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو انسانی معاشروں کی ثقافت کی سرپرستی کی ذمہ داری سونپی ہے۔اسی طرح بعض برگزیدہ انبیائے کرام کو برتری عطا کرنے کے بارے میں فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ۔ "(11)

ترجمہ: " اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو سب جہانوں پر منتخب کرلیا۔"

پس ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقط انسانوں کی تعلیم وتربیت کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا ہے اور کسی مقصد کے لئے انبیاء نہیں بھیجے، چونکہ تعلیم وتربیت ہی سے ثقافت بنتی ہے اور جب درست ثقافت بن جائے تو انسانی زندگی کے دیگر تمام امور بھی سنور جاتے ہیں۔

معاشرے میں ثقافتی امور کے ماہرین کا مقام

اللہ تعالیٰ نے ایسے علماء اور دانشوروں کو خصوصی اہمیت اور برتری عطا فرمائی ہے جو معاشروں کے ثقافتی امور کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور ثقافتی میدان میں سرگرم عمل رہتے ہیں اور انسانی قدروں کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے افراد کی منزلت ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

"يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔" (12)

ترجمہ: "تو اللہ ان لوگوں کو، جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور علم سے بہرہ ور ہیں، عظیم درجات بخشے گا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو آگاہ ہے۔"

آیہ شریفہ کا معنیٰ یہ ہے کہ مؤمن اور غیر مؤمن کے درجات میں فرق ہے یقیناً مؤمن غیر مؤمن پر فضیلت رکھتا ہے لیکن عالم مؤمن کے درجات غیر عالم مؤمن سے بھی زیادہ ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ اللهَ يُحِبُّ بُغَاةَ الْعِلْمِ۔" (13) یعنی: "اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔" اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "عَالِمٌ يُنْتَفَعُ بِعِلْمِهِ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِينَ أَلْفَ عَابِدٍ۔" (14) یعنی: "جس عالم کے علم سے لوگ بہرہ مند ہوتے ہیں وہ ستر ہزار عبادت گزاروں سے بہتر ہے۔"

ایک اور نکتہ یہ کہ اسلام میں شہید کا مقام و مرتبہ بہت زیادہ ہے، لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک حدیث میں آیا ہے کہ علما کے قلم کی سیاہی خونِ شہداء سے افضل ہے: "إذا كان يوم القيامة جمع الله عزو جل الناس فی صعید واحد و وضعت الموازین فتوزن دماء الشهداء مع مداد العلماء فيرجح مداد العلماء علی دماء الشهداء۔" (15)

یعنی: "جب قیامت کا دن ہوگا، اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک ساتھ محشور فرمائے گا اور اس وقت میزان نصب کیئے جائیں گے، پس شہداء کے خون کو علما کے قلم کی سیاہی کے ساتھ وزن کیا جائے گا تو علما کے قلم کی سیاہی خون شہداء پر بھاری قرار دی جائے گی۔"

البتہ جس طرح شہداء کا مقام ایک جیسا نہیں اور اس کے درمیان بھی مراتب ہیں اسی طرح علما کے قلم بھی ایک جیسے نہیں ہوں گے، جو قلم شہید پرور ہو گا تو بلا شک وہی خون شہدا سے افضل قرار پائے گا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے:

" اللّهم ارحم خُلَفَائِی قَالُوا وَ مَا خُلَفَاؤُكَ قَالَ الَّذِينَ يُحْيُونَ سُنَّتِي وَ يُعَلِّمُونَهَا عِبَاد اللّهِ وَ مَنْ يَحْضُرُهُ الْمَوْتُ وَ هُوَيَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ۔ "(16)

یعنی: "اے اللہ ! میرے خلفاپر رحم فرما! کہا گیا: آپؐ کے خلفا کون ہیں ؟فرمایا: وہ لوگ جو میری سنت کو زندہ کرتے ہیں اور اس کی تعلیم اللہ کے بندوں کو دیتے ہیں اور جس کی موت اس حالت میں آتی ہے کہ وہ حصول علم میں مشغول ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اسلام کو زندہ کرے اس کے اور انبیاء کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں عابد پر عالم کی برتری کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ :

" فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب۔ "(17)

یعنی: "عابد پر عالم کو اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے شب بدر کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔"

ایک اور نکتہ یہ کہ قیامت کے دن مقام شفاعت ہر کسی کو حاصل نہیں ہو گا بلکہ یہ مقربین الٰہی کے ساتھ مختص ہو گا۔ لیکن ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ

" يشفع يوم القيامة ثلاثة الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء ۔ "(18)

یعنی: " قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے :انبیائے کرامؑ ،علماء اور شہداء۔"

ان آیات اور روایات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ معاشرے کی ثقافت ،اخلاق اور اقدار کی سر بلندی کے لئے سر گرم رہتے ہیں ،اُن کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے خواہ زمین پر وہ گمنام ہی کیوں نہ ہوں لیکن آسمانوں پر اُن کا نام اور کام زندہ ہوتا ہے۔

صحیح ثقافت اور معاشرے کی معنوی زندگی

قرآن کی نظر میں حقیقی انسانی، معنوی اور پاکیزہ زندگی صحیح اور الٰہی ثقافت ہی کے زیر سایہ میسر آسکتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کا فرمان ہے :

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّهِ وَ لِلرَّسولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهِ وَ أَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ۔ "(19)

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ) کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے

ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو، اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان (شانِ قربتِ خاصہ کے ساتھ) حائل ہوتا ہے اور یہ کہ تم سب (بالآخر) اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔"

اس آیہ مجیدہ سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقی اور پاکیزہ زندگی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور دین کے بغیر زندگی، محض حیوانی زندگی ہے۔اس مطلب کی مزید وضاحت یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں زندگی کے کچھ مرتبے ہیں۔ کبھی تو ہم جڑی بوٹیوں اور پودوں کی زندگی دیکھتے ہیں جو کبھی سبز ہوتے ہیں اور کبھی زرد اور مرجھائے ہوئے۔قرآن ان کی جانب بھی زندگی کی نسبت دیتا ہے: اعْلَمُوا أَنَّ اللهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا" (20) یعنی: "جان لو ! اللہ تعالیٰ زمین کو موت کے بعد زندگی عطا کرتا ہے۔" کبھی کسی حیوان کی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے : "إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَى۔" (21) یعنی: "اللہ تعالیٰ کہ جس نے (زمین) کو زندہ کیا اور پھر مردوں کو بھی زندہ کرے گا۔" اور کبھی قرآن مجید انسانی، عقلی اور نظریاتی حیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے : أَوَ مَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ۔" (22) یعنی: "جو مردہ اور گمراہ تھا اور اسے ہم نے ہدایت کی ہے۔"

کیا وہ بھی گمراہوں کی طرح ہے ؟اور ایک مقام پر قرآن ابدی حیات اور اُخروی دنیاکے بارے میں فرماتا ہے :" يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي "۔(23) یعنی:" کاش میں نے اپنی آج کی (قیامت اور روز آخرت) زندگی کے لئے کچھ چیز آگے بھیجی ہوتی" اور کبھی قرآن مجید میں حیات کا معنیٰ علم اور بے انتہاء توانائی اور قدرت کے معنیٰ میں آیا ہے جیسا کہ قرآن نے فرمایا: "وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ"(24) یعنی:" اور آپ ایسے ربّ پر توکل کیجئے کہ جس کے لئے موت ہے ہی نہیں" یعنی وہ لامحدود ہستی ہے جس کے لئے موت کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

حیات اور زندگی کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ سورۂ انفال کی آیہ مجیدہ ۲۴ میں حیات سے مراد، معنوی اور عقلی حیات ہے بنابریں جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اعتقاد نہیں رکھتے اور سیکولر زندگی گزارتے ہیں اگر چہ وہ مادی اور حیوانی زندگی رکھتے ہیں، لیکن قرآن کی نظر میں وہ انسانی اور عقلی زندگی سے محروم ہیں۔قرآن انسانوں کو انسانی اور عقلانی زندگی کی طرف دعوت دیتا ہے۔(25)

دینی ثقافت اور مادی زندگی کی رونقیں

قرآن کی نظر میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اُس کے انبیائے کرامؑ کے ذریعے لائے ہوئے دین پر عمل ہی سے انسانوں کی مادی اور دنیوی زندگی میں رونقیں برقرار رہ سکتی ہیں۔ اگر لوگ ایک دوسرے سے جھوٹ نہ بولیں، خیانت نہ کریں، ظلم و ستم سے پرہیز کریں دوسرے الفاظ میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں تو یقیناً معاشروں میں اجتماعی اور معاشی سکون قائم ہو جائے گا اور انسان امن اور سکون کی زندگی گزار سکے گا، ایسے ہی معاشرے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اسی حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"وَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السمَاءِ وَ الأَرْضِ وَ لَكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كانُوايَكْسِبُونَ ۔"(26)

ترجمہ: "اور اگر (ان) بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، سو ہم نے انہیں ان اَعمالِ (بد) کے باعث جو وہ انجام دیتے تھے (عذاب کی) گرفت میں لے لیا۔"

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَ لَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَ الانجِيلَ وَ مَا أُنزِلَ إِلَيهِم مِّن رَّبهِمْ لأَكلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَ مِن تحْتِ أَرْجُلِهِم مِّنهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدةٌ وَ كَثِيرٌ مِّنهُمْ ساءَ مَا يَعْمَلُونَ " (27)

ترجمہ: "اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور جو کچھ (مزید) ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا تھا (نافذ اور) قائم کر دیتے تو (انہیں مالی وسائل کی اس قدر وسعت عطا ہو جاتی کہ) وہ اپنے اوپر سے (بھی) اور اپنے پاؤں کے نیچے سے (بھی) کھاتے (مگر رزق ختم نہ ہوتا)۔ ان میں سے ایک گروہ میانہ رَو (یعنی اعتدال پسند ہے)، اور ان میں سے اکثر لوگ جو کچھ کر رہے ہیں نہایت ہی برا ہے۔"

اس آیہ مجیدہ سے پتا چلتا ہے کہ اجتماعی تقویٰ انسانی معاشروں کی معاشی اور اقتصادی حالت بدلنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور دینی ثقافت کے تابع اقتصادی نظام الٰہی نعمتوں کی فراوانی کا باعث بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں نازل ہونے لگتی ہیں۔

ثقافتی اور معنوی مراکز کی حفاظت کے لئے جہاد

اللہ تعالیٰ، دینی ثقافتی اور عبادی مراکز کی حفاظت کی خاطر جہاد اور دفاع کو ضروری قرار دیتا ہے اور اسلامی جہاد کا فلسفہ ہی انہی مراکز کی حفاظت کو قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

''الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ۔'' (28)

ترجمہ: ''(یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی انہوں نے باطل کی فرمانروائی تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا)، اور اگر اللہ انسانی طبقات میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ (جہاد و انقلابی جد و جہد کی صورت میں) ہٹاتا نہ رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں (یعنی تمام ادیان کے مذہبی مراکز اور عبادت گاہیں) مسمار اور ویران کر دی جاتیں جن میں کثرت سے اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے، اور جو شخص اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔ بیشک اللہ ضرور (بڑی) قوت والا (سب پر) غالب ہے۔''

گویا حق اور باطل کے تضاد و تصادم کے انقلابی عمل سے ہی حق کی بقا ممکن ہے۔ اگر ایماندار لوگ دینی غیرت سے عاری ہو جائیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور زمانے کے طاغوتوں، سامراجی قوتوں، مستکبروں اور لااُبالی اور سیکولر عناصر کی لوٹ مار اور تباہ کاریوں کا تماشا دیکھتے رہیں تو تھوڑی مدت میں عبادت خانے ویران ہو جائیں گے اور اُن کی جگہ فحاشی اور بدمعاشی کے مراکز کھل جائیں گے۔ کیونکہ عبادت گاہیں، انسانوں کو بیدار کرتی ہیں اور مسجد و محراب سے ظلم و ستم کے خلاف اعلان جنگ ہوتا ہے اور توحید کا پرچم بلند ہوتا ہے۔ مسجد ہر طاغوت اور مستکبر کے خلاف انسانی مورچے کی حیثیت رکھتی ہے جس سے درس حریت ملتا ہے اور انسان جذبہ توحید سے مالا مال ہوتا ہے۔

اسی لئے ہر زمانے کے طاغوت نے زندہ اور فعال مساجد کو ویران کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی معنوی قدر و قیمت کم کرنے اور معاشرے میں بے اثر کرنے کے لئے علمائے سو اور پیشہ ور اور دنیا پرست ائمہ جماعت سے استفادہ کیا ہے اور منبر سے لے کر محراب تک کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی سعی کی

ہے، لیکن جب منبر و محراب بیدار ہو جائے اور با تقویٰ علماء کے زیر سایہ ثقافتی، علمی و عبادی فعالیت شروع کر دے تو طاغوتی قوتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں اور وہ اُن کے لئے قوانین سازی شروع کر دیتی ہیں۔

علامہ طباطبائی اس بارے میں لکھتے ہیں: " اللہ تعالیٰ، اپنے دین کی حفاظت کے لئے بعض لوگوں کا بعض دوسروں کے ذریعے دفاع کرتا ہے اور اگر فقط اس نے (اس آیت) میں عبادت گاہوں کا نام لیا ہے تو اس لئے کہ اگر یہ دفاع نہ ہوتا تو عبادت گاہیں تو دور کی بات ہے، اصل دین ہی باقی نہ رہتا اس لئے کہ عبادت گاہیں، دین کے مظاہر، شعائر اور علامتیں شمار ہوتی ہیں اور لوگ انہی کے ذریعے دین کی یاد میں رہتے ہیں اور ان میں بیٹھ کر دین کے احکام سیکھتے ہیں اور دین کا تصور اور نقشہ اُن کے اذہان میں محفوظ رہتا ہے۔"(29)

دینی ثقافت کی ترویج ایک الٰہی فریضہ

دینی عقائد، احکام اور اقدار اس قدر اہمیت رکھتی ہیں کہ جنگ کے زمانے میں بھی بعض لوگوں پر واجب ہے کہ وہ دینی احکام اور عقائد کی تعلیم جاری رکھیں تا کہ دینی تعلیم وتربیت کا سلسلہ رکنے نہ پائے اور دینی ثقافت متاثر نہ ہو۔ چونکہ دینی علوم کی ترویج کے بغیر دینی ثقافت نہ تو رائج ہو سکتی ہے اور نہ محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس لئے مسلمان معاشرہ حالت جنگ میں بھی دینی ثقافت کی حفاظت کے لئے اس ثقافت کے مبلغین کی تعلیم وتربیت کو معطل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مسئلے کی اہمیت کے بارے میں فرما رہا ہے:

"وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔"(30)

ترجمہ: " مناسب نہیں کہ سب مؤمنین (میدان جہاد کی طرف) کوچ کریں، ہر گروہ میں سے ایک طائفہ کیوں کوچ نہیں کرتا (اور ایک حصہ باقی نہیں رہتا تا کہ دین اسلام کے معارف واحکام) سے آگاہی حاصل کریں اور اپنی قوم کی طرف بازگشت کے وقت انہیں ڈرائیں تا کہ وہ (حکم خدا کی مخالفت سے) ڈریں اور رک جائیں۔"

اس آیت کے شان نزول میں مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جہاد کی طرف روانہ ہوتے تو سب مسلمان آپ کے ساتھ نکل پڑتے۔ پیچھے معذور افراد اور منافقین رہ جاتے، لیکن جب کچھ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں اور خصوصاً جنگ تبوک سے منہ موڑنے والوں کو جس طرح سے وعید وملامت نے آگھیرا اس سے مومنین جہاد کے میدانوں میں شرکت کے لئے

اور زیادہ پختہ ہوگئے یہاں تک کہ وہ جنگیں جن میں پیغمبرﷺ ذاتی طور پر شرکت نہیں کرتے تھے ان میں شرکت کے لئے بھی سب نکل پڑتے تھے اور رسول اللہﷺ کو تنہا چھوڑ دیتے تھے۔
اس صورت حال کے پیش نظر مندرجہ بالاآیت نازل ہوئی اور انھیں بتایا گیاکہ ضرورت کے علاوہ مناسب نہیں کہ سب مسلمان میدان جنگ کی طرف جائیں بلکہ ایک گروہ مدینہ کی طرف جائے اور مدینہ میں جانے والے افراد رسول اللہﷺ سے اسلامی معارف واحکام کی تعلیم حاصل کریں اور اپنے مجاہد دوستوں کو واپس آنے کے بعد تعلیم دیں۔

جہالت کے خلاف جہاد

زیر نظرآیت جہاد کے سلسلے میں گزشتہ آیات سے تعلق رکھتی ہے یہ ایک ایسے نکتے کی طرف اشارہ کرتی ہے جو مسلمان کے لئے حیات آفرین حیثیت رکھتا ہے اور وہ یہ کہ بلا شبہ جہاد بہت اہمیت رکھتا ہے اور اس سے پیچھے رہ جانا ننگ و عار اور گناہ ہے، لیکن بعض مواقع پر جہاں ضرورت تقاضا نہیں کرتی کہ تمام مسلمان میدانِ جہاد میں شرکت کریں خصوصاًان مواقع پر جب پیغمبرﷺ خود مدینہ میں رہ جائیں تو مناسب نہیں کہ سب جہاد کے لئے چل پڑیں بلکہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی ہر جماعت کے دو حصے ہوں۔ ایک حصہ فریضہ جہاد کو انجام دے اور دوسرا حصہ مدینہ میں رہ کر اسلام کے معارف کی تعلیم حاصل کرے۔اس سے اسلامی ثقافت کی ترویج کے لئے حصول علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔(31)

"تفقہ فی الدین" کا وسیع مفہوم

تفسیر نمونہ کے مؤلف لکھتے ہیں :اس میں شک نہیں کہ "تفقہ فی الدین" سے مراد تمام اسلامی معارف واحکام کا حصول ہے چاہے ان کا تعلق اصول دین سے ہو یافروع دین سے، کیونکہ "تفقہ" کے مفہوم میں یہ تمام امور جمع ہیں لہٰذا مندرجہ بالاآیت اس بات پر واضح دلیل ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک گروہ ہمیشہ واجب کفائی انجام دینے کے لئے تمام اسلامی مسائل میں تحصیل علم کرے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسلامی احکام کی تبلیغ کے لئے مختلف علاقوں کی طرف جائے، خصوصاً اپنی قوم اور جمعیت کی طرف آئے اور اسے اسلامی مسائل سے آشنا کرے۔
پس مندرجہ بالاآیت ، اسلامی مسائل کی تعلیم و تعلم کے وجوب پر ایک واضح دلیل ہے دوسرے لفظوں میں تعلیم حاصل کرنا بھی واجب ہے اور تعلیم دینا بھی۔آج کی دنیا اگر جبری تعلیم پر فخر کرتی ہے تو قرآن نے چودہ سو سال پہلے اس سے بھی بڑھ کر معلّمین پر یہ کام فرض کیا ہے۔(32)

ثقافتی جہاد کی اہمیت

اس قرآنی آیت میں علمائے دین کہ جو در حقیقت دینی ثقافت کے ماہرین سمجھے جاتے ہیں ،اُن کا سب سے بڑا جہاد قرآنی علوم و معارف کی ترویج ہے اور قرآن کے ذریعے کفار کو شکست دینا اور اسلام کی نظریاتی اور ثقافتی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید فرمارہا ہے :" فَلاَ تُطِعِ الْکافِرِینَ وَ جٰهِدْهُم بِهِ جِهَاداً کبِیراً ۔ "(33) یعنی : " کفار کی اطاعت نہ کرو اور اس (قرآن) کے ذریعے اُن کے ساتھ بڑا جہاد کرو۔"
قرآن کریم کی نظر میں ثقافتی جہاد ہی سب سے بڑا اور اہم جہاد ہے۔ اگر مسلمان معاشرہ جہاد کے اس محاذ پر کامیاب ہو جائے تو دوسرے تمام محاذ فتح کرلیتا ہے اور اگر ثقافتی محاذ پر ناکام ہو جائے تو دوسرے محاذوں میں کامیابی اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی ۔ جیسا کہ اوپر سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۵۲ میں گذر چکا ہے کہ قرآن کریم نے ثقافتی جہاد کی عظمت اور اہمیت کے پیش نظر اس جہاد کو جہاد کبیر کا نام دیا ہے۔
چونکہ قرآن مجید علمی ، ثقافتی جہاد کا سب سے بڑا داعی ہے اور دشمنان اسلام کے ساتھ بحث و مباحثے کا سب سے مضبوط ذریعہ ہے۔ اگرچہ دشمنان اسلام نے شروع ہی سے ثقافتی یلغار کے ذریعے مسلمان معاشروں کو نقصان پہنچایا ہے اور اس سلسلے میں اُن کی کوششیں ابھی تک جاری ہیں اور عصر حاضر میں تو وہ جدید ترین ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمان معاشروں پر ثقافتی یلغار کر رہا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے وسیلے سے اس یلغار کا جواب دیا جارہا ہے اور قرآن مسلمانوں کو اس یلغار کے خلاف دائمی جہاد کی تلقین کرتا ہے:
"جاهِدْهُمْ بِهِ "یعنی اسی قرآن کے ذریعے اُن کے ساتھ جہاد کرو اور یہی جہاد کبیر ہے۔(34)

ثقافتی وسائل کی اہمیت کی ایک مثال

حدیث کے مطابق تمام صداؤں میں سے تین صدائیں بہت اہمیت رکھتی ہیں: ایک علماء کے قلم کی صدا، دوسری مجاہدین کے پاؤں کی صدا اور تیسری چرخے پر کاتنے کی آواز ۔ اگر عصر حاضر میں ان تینوں صداؤں کی وضاحت کریں تو کہیں گے : چھاپخانے کی آواز ، توپخانے کی آواز اور کارخانوں کی آواز یعنی ثقافتی، عسکری اور اقتصادی طاقت ہی سب سے اہم طاقت ہے۔ اسلام کی نظر میں ان تینوں صداؤں میں قلم کی صدا سب سے اہم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قلب پیغمبر ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی آیات میں قلم کی اہمیت کو ہی بیان فرماتا ہے :

"اقْرَأْ بِاسمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ O خَلَقَ الانسانَ مِنْ عَلَقٍ O اقْرَأْ وَ رَبُّكَ الأَكْرَمُ O الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ "(35)

ترجمہ: ''پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے جہان کو پیدا کیا۔ وہی جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ کہ تیرا پروردگار سب سے زیادہ مکرم و باعزت ہے۔ وہی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اور انسان کو وہ سب کو کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ''

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیات پیغمبر اکرم ﷺ پر سب سے پہلے نازل ہوئیں۔(36) پیغمبر اکرم ﷺ اُمی تھے یعنی کسی اُستاد سے درس پڑھے ہوئے نہیں تھے اور دوسری طرف پورے حجاز کا ماحول جہالت و نادانی کا ماحول تھا۔ قرآن میں سب سے پہلی آیات میں خلقت جیسی عظیم ترین نعمت کے ذکر کے بعد تعلیم و تعلم کے مسئلے کو پیش کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ آیات سب سے پہلے علقہ نام کی ایک ناچیز سی شئی سے انسانی جسم کی تکمیل کی خبر دیتی ہیں اور پھر تعلیم و تعلم بالخصوص قلم کے ذریعے روح کے تکامل کی بات کرتی ہیں۔

جس زمانے میں یہ آیات نازل ہو رہی تھیں اس وقت نہ فقط حجاز کا علاقہ جہالت و نادانی سے بھرا ہوا تھا بلکہ اس زمانے کی متمدن دنیا بھی قلم جیسے ثقافتی وسیلے کی اہمیت سے بے خبر تھی۔ لیکن عصر حاضر میں انسان کو نصیب ہونے والی تمام کامیابیاں خواہ وہ کسی بھی میدان میں ہوں، قلم ہی کی مرہون منت ہیں۔ دوسرے الفاظ میں تمام انسانی معاشروں کی تقدیر سب سے پہلے قلم ہی سے تعلق رکھتی ہے اور قلم ہی کے ذریعے قومیں عروج حاصل کرتی ہیں۔ انسانی معاشروں کی ترقی بھی ذمہ دار اور ایماندار قلم کے ذریعے انجام پاتی ہے اور ان کی تباہی اور بربادی بھی فاسد اور زہریلے قلموں کا نتیجہ ہے۔

اسی قلم سے انسانوں کو تباہ کرنے والی ثقافت رواج پاتی ہے اور اسی قلم کے ذریعے انسانیت کی تعمیر کرنے والی ثقافت کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے قلم جیسے ثقافتی وسیلے کی قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے: '' نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ۔ '' (37) یعنی: (نون اور جو کچھ قلم سے لکھا جاتا ہے، اس کی قسم۔) (38)

ثقافت کو تباہ کرنے والے ہی سب سے بڑے ظالم ہیں

قرآن کریم کے مطابق جو افراد، لوگوں کی عزت وآبرو، جان ومال سے خیانت کرتے ہیں وہ ظالم ہیں، لیکن جو معاشرے کی ثقافت سے خیانت کرتے ہیں اور اسے تباہ کرتے ہیں قرآن کی منطق کے مطابق وہ سب سے بڑے ظالم ہیں:

"وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔" (39)

ترجمہ: "اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے سے روک دے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے! انہیں ایسا کرنا مناسب نہ تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں (بھی) ذلّت ہے اور ان کے لئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔"

دین اسلام کا سب سے بڑا ثقافتی مرکز مسجد ہے اور جو مسجد سے روکتا ہے اور مسجد کو خراب کرتا ہے اور مسجد میں بیٹھنے والوں کو قتل کرتا ہے، اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے؟

"وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِباً أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ۔" (40)

ترجمہ: "اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا (نبوت کا جھوٹا دعوی کرتے ہوئے یہ) کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہ کی گئی ہو۔"

"فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِباً لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔" (41)

ترجمہ: "پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے تاکہ لوگوں کو بغیر جانے گمراہ کرتا پھرے۔ بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔"

پھر ایک اور مقام پر فرمایا:

"وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَى إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔" (42)

ترجمہ: "اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جارہا ہو، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ دین میں تحریف، حق و باطل کو مخلوط کرنا، دین میں بدعت پیدا کرنا، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہارؑ پر جھوٹ باندھنا اور دین سے پھر جانا (ارتداد) اور مسلمان معاشروں میں کفار و مشرکین کے نظام اور ثقافتوں کو رائج کرنا وغیرہ سب علمی و ثقافتی خیانتیں ہیں۔ اور اس قسم کے خائن افراد کے بارے میں بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں، جن کے مطابق ثقافتی خیانت سب سے بڑی خیانت ہے۔

دینی ثقافت کے بارے میں سہل انگاری کی ممانعت

قرآن کی نظر میں اسلامی و دینی ثقافت کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ قرآن مجید کسی شخص کو بھی اس کے بارے میں سہل انگاری، سستی اور سازش کرنے کی اجازت نہیں دیتا دوسرے الفاظ میں قرآن اسلامی ثقافت کو تباہ کرنے والوں یا تبدیل کرکے اس کی جگہ غیر دینی اور سیکولر ثقافت لانے والوں کی سخت مذمت کرتا ہے۔ اگر دینی ثقافت کی حفاظت کے لئے خون بھی بہانا پڑے اور اپنی جانیں بھی قربان کرنی پڑیں تو قرآن اس کی اجازت دیتا ہے۔

اس مطلب کی مزید وضاحت کچھ یوں کی جاسکتی ہے کہ اسلام کی تمام تعلیمات اور معارف خواہ وہ عقائد واحکام ہوں یا اخلاقیات، سب کے سب قطعی دلائل کے ساتھ دین کا جزء شمار ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کی اعتقادی اور عملی سہل انگاری قابل قبول نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سہل انگاری سے مراد یہ ہے کہ دینی مسائل کے ذمہ دار یعنی علمائے دین اسلامی تعلیمات و معارف کے کسی ایسے حصے سے صرف نظر نہیں کرسکتے کہ جو کفار و مشرکین اور لادین عناصر کے اعتقاد اور ثقافت کے مخالف ہیں۔ یعنی وہ یہ سمجھیں کہ یہ معارف اور تعلیمات چونکہ اجتماعی اور بین الاقوامی نفرت اور اختلاف کا سبب بنتے ہیں لہٰذا ان سے صرف نظر کر لیا جائے۔ لہٰذا اگر کوئی دینی اصول اور حکم الٰہی دنیا پر حاکم سیکولر نظام کے ساتھ متعارض ہو جاتا ہے اور اکثریت کی تنقید کا نشانہ بنتا ہے تو ہمیں اپنے مادی مفاد کی خاطر اس کے بارے میں خاموشی اختیار نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اس کی حفاظت کے لئے سعی و کوشش کرنی چاہیے اور دینی ثقافت کی خاطر اپنی جان و مال تک قربان کر دینا چاہیے۔

اس کی سب سے بڑی دلیل انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرت اور روش ہے کہ جنہوں نے مخالفین کی مخالفت کی پروا کئے بغیر اپنے عقائد حقہ کو منطق واستدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اُنہوں نے کبھی بھی اپنے عقائد اور الٰہی معارف کو عوام الناس کے پسندیدہ عقائد اور خرافات کے مخالف ہونے کی وجہ سے اور اجتماعی نفرت و نزاع سے بچنے کے بہانے پوشیدہ نہیں رکھا۔ یہاں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس تحریک کی مثال پیش کرسکتے ہیں جس میں آپؐ نے اپنے اعتقادات کو منطقی استدلال کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اپنے مخالفین کے خرافات پر مبنی غیر عقلی عقائد و نظریات کو بھی منطق و عقل کی روشنی میں باطل ثابت کیا اور انسانوں کی عمومی عقل کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے الٰہی عقائد و معارف پیش کرتے ہوئے مشرکانہ معاشرے میں توحید کی بنیادیں مضبوط کیں۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی بڑی بڑی سازشوں کے مقابلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استقامت و صبر کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھنے کی تاکید فرمائی اور مشرکین کے ساتھ ہر قسم کی نرمی و مصالحت سے منع فرمایا:

”فَلا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ وَلا تُطِعْ كُلَّ حَلاَّفٍ مَهِينٍ۔“ (43)

ترجمہ: ”سو آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں، وہ تو چاہتے ہیں کہ (دین کے معاملے میں) آپ (بے جا) نرمی اِختیار کرلیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا اِنتہائی ذلیل ہے۔“

”فَلا تُطِعِ الْكافِرِينَ وَجاهِدْهُمْ بِهِ جِهاداً كَبِيراً“۔(44)

ترجمہ: ”ہر گز کفار کی اطاعت نہ کرو اور اس (اگر وہ قرآن اور دین حق کی مخالفت کریں تو) اُن کے ساتھ بڑا جہاد کرو۔“

پیغمبر اکرم ﷺ کو نہ فقط کفار و منافقین کے ساتھ نرمی اور مصالحت سے منع کیا گیا تھا بلکہ اُن سے دوری اختیار کرنے پر بھی مامور کیا گیا تھا۔آیت اللہ شہید مطہریؒ دین کے معاملے میں کفار کے ساتھ نرمی اور صلح جوئی کا رویہ اختیار کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ایک مسئلہ کہ جس کی وضاحت ضروری ہے وہ سہل انگاری کا مسئلہ ہے۔۔۔کیا قرآن نے اس کام کی بطور کلی نفی کی ہے؟ یہاں دو باتیں ہیں: ایک قسم تو وہ جس کی قرآن نے بطور کلی نفی کی ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کو کسی بھی صورت اجازت نہیں دی چہ جائیکہ غیر پیغمبرؑ کو اجازت دے۔ اور وہ خود نظریہ اور فکر کی بنا پر صلح جوئی اور نرمی اختیار کرنا ہے۔جسے آج کل کی زبان میں آئیڈیالوجی کہتے ہیں۔یعنی اُن سے کہا جائے آؤ تم بعض باتوں سے صرف نظر کرلو اور ہم بھی اپنی بعض باتوں سے صرف نظر کرلیتے ہیں۔ محال ہے کہ کوئی دین حق، دشمن کے ساتھ اس طرح مصالحت اور نرمی کرنے کی اجازت دے۔ حتیٰ ایک چھوٹا سا مستحب اور مکروہ بھی قابل مصالحت نہیں ہے۔جو چیز وحی الٰہی کا حصہ ہے خواہ وہ چھوٹا سا مستحب یا مکروہ ہی کیوں نہ ہو، قابل مصالحت نہیں اور اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ ایک دوسری چیز ہے جس میں مصالحت اور صرف نظر کیا جاسکتا ہے؛ اُس کا تعلق عمل سے ہے نہ عقیدے اور نظریئے سے۔یعنی وہ اصول اور آئیڈیالوجی سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ ایک حکمت عملی ہے مثلاً ایک معاہدہ ہے اور اگر ہم کسی سے کوئی معاہدہ کرتے ہیں اور اسے نافذ کرتے وقت مصلحت کے طور پر فی الحال مؤخر کردیتے ہیں۔قرآن نے نبی اکرم ﷺ سے یہ اختیار سلب نہیں کیا۔“ (45)

اسلامی اصول اور آئیڈیالوجی ،اس قدر اہمیت رکھتی ہے حتیٰ پیغمبر اکرم ﷺ بھی کسی صورت میں ان میں کمی و پیشی کرنے کا حق نہیں رکھتے اور اگر ایسا کریں گے تو سخت ترین الٰہی عقاب کے مستحق بن سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کاارشاد ہے :

" تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ۔ "(46)

ترجمہ : " (یہ) تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے۔اور اگر وہ ہم پر کوئی (ایک) بات بھی گھڑ کر کہہ دیتے تو یقیناً ہم اُن کو پوری قوت و قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ضرور اُن کی شہ رگ کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اِس سے روکنے والا نہ ہوتا۔"

اس سلسلے میں اسلام کی منطق جاہل کو آگاہ کرنا، فاسق کی تادیب کرنا، مخالفین کے سامنے برہان ودلیل قائم کرنا ہے نہ کہ اپنی دینی تعلیمات و معارف اور عقائد سے صرف نظر کرنا ہے۔اسلام باطل کے مقابلے میں نرمی کرنے او رچند روزہ مادی مفادات کی خاطر خاموشی اختیار کرنے سے منع کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے اپنے الٰہی اور مبنی بر حق اعتقادات کی خاطر صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے والوں اور خرافات اور ظالموں کے ظلم کے مقابلے میں قیام کرنے والوں کی مدح کی ہے۔جس کی مثال قرآن مجید میں اصحاب کہف کا واقعہ ہے جن کی مدح وستائیش میں سورۂ کہف کی آیات نازل ہوتی ہیں اور صبر واستقامت کرنے والوں کو بشارت الٰہی دی جاتی ہے۔(47)

ثقافتی مفاسد کا سدباب کرنے کی ضرورت

ثقافت کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں انبیائے کرام علیہم السلام کی جانب سے ثقافتی مفاسد کے خلاف جہاد کا ذکر ملتا ہے۔قرآن ثقافتی مفسدین کے خلاف انبیاء علیہم السلام کے سخت رویئے کو نقل کرتا ہے اور ان کے اس کام کی مدح کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور انہیں اس لحاظ سے نمونہ عمل کے طور پر متعارف کراتا ہے مثلاً جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپسی پر دیکھتے ہیں کہ سامری نے اُن کی قوم کو گمراہ کر دیا ہے تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اس اعتقادی گمراہی کے مقابلے کے لئے چند قدم اُٹھاتے ہیں جن میں سے ایک یہ کہ اپنے بھائی کا مواخذہ کرتے ہیں اور اُن سے قوم کی اس گمراہی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے ہیں۔

اگر چہ اس مسئلے میں اُن کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل سے دوسروں پر واضح ہو جاتا ہے کہ قوم کی یہ گمراہی ایک سنگین جرم ہے جس پر دوسرے تو در کنار وہ اپنے بھائی کا

بھی مؤاخذہ کر سکتے۔اس کے بعد وہ اس گمراہی کے اصلی کردار یعنی سامری کی طرف جاتے ہیں،اور اس کو اس قدر شدید سزا دیتے ہیں کہ جو اس کے قتل سے بھی زیادہ سخت تھی۔معاشرے سے دھتکار دینا اور اسے گوشہ نشینی پر مجبور کرکے اس کو ایک نجس اور پلید انسان کی شکل میں تبدیل کر دینا، سخت ترین سزا تھی۔ اس سزا کے بعد قوم کا ہر شخص اس سے نفرت کرنے لگتا ہے اور پورا معاشرہ اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثقافتی گمراہی ایک ایسا جرم ہے کہ جس کا ارتکاب کرنے والے قرآن کی نظر میں معاشرے کی نفرت اور لعنت کے مستحق قرار پانے چاہییں۔اس قرآنی قصے کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیات ۵۱ تا ۵۴ میں ذکر ہوئی ہے اور سورۂ طہ کی آیات ۹۴ تا ۹۷ میں بھی اس قصے کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا واقعہ پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے کے منافقین کا ہے جو مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی نیت سے ایک مسجد بناتے ہیں۔جسے قرآن ''مسجد ضرار'' کا نام دیتا ہے۔یہ مسجد مسلمانوں میں ثقافتی فساد پیدا کرنے کے لئے بنائی گئی تھی،جس کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ منافقین رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا، ہمیں اجازت دیجیئے کہ ہم قبیلہ ''بنی سالم'' کے درمیان ''مسجد قبا'' کے قریب ایک مسجد بنالیں تاکہ ناتواں بیمار اور بوڑھے جو کوئی کام نہیں کر سکتے اس میں نماز پڑھ لیا کریں_اسی طرح جن راتوں میں بارش ہوتی ہے ان میں جو لوگ آپ ﷺ کی مسجد میں نہیں آ سکتے اپنے اسلامی فریضہ کو اس میں انجام دے لیا کریں۔یہ اس وقت کی بات ہے جب پیغمبر خدا ﷺ جنگ تبوک کا عزم کر چکے تھے آنخضرتؐ نے انھیں اجازت دے دی۔

انھوں نے مزید کہا: کیا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ خود آ کر اس میں نماز پڑھیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس وقت تو میں سفر کا ارادہ کر چکا ہوں البتہ واپسی پر خدا نے چاہا تو اس مسجد میں آ کر نماز پڑھوں گا۔ جب آپ ﷺ جنگ تبوک سے لوٹے تو یہ لوگ آپؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری درخواست ہے کہ آپؐ ہماری مسجد میں آ کر نماز پڑھائیں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ ہمیں برکت دے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی آنخضرت ﷺ مدینہ کے دروازے میں داخل نہیں ہوئے تھے اس وقت وحی خدا کا حامل فرشتہ نازل ہوا اور خدا کی طرف سے پیغام لایا اور ان کے کرتوت سے پردہ اٹھایا۔ اس مسجد کو بنانے کے سلسلے میں منافقین کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

''وَ الَّذِينَ اتخَذُوا مَسجِداً ضِرَاراً وَ كفُراً وَ تَفرِيقَا بَينَ المُؤمِنِينَ وَإِرصاداً لِّمَنْ حَارَب اللهَ وَ رَسولَهُ مِن قَبلُ وَ لَيَحلِفُنَّ إِنْ أَرَدنَا إِلا الحُسنى وَ اللهُ يَشهَدُ إِنهُم لَكذِبُونَ۔'' (48)

ترجمہ: "اور (منافقین میں سے وہ بھی ہیں) جنہوں نے ایک مسجد تیار کی ہے (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے اور کفر (کو تقویت دینے) اور اہلِ ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے اور اس شخص کی گھات کی جگہ بنانے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے پہلے ہی سے جنگ کر رہا ہے، اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے (اس مسجد کے بنانے سے) سوائے بھلائی کے اور کوئی ارادہ نہیں کیا، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔" (49)

اس کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مذکورہ مسجد کو جلا دیا جائے او راس کے باقی حصے کو مسمار کر دیا جائے اور اس جگہ پر کوڑا کرکٹ ڈالا جایا کرے۔

اس واقعہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا مسجد ضرار بنانے والے منافقین کے خلاف قاطعانہ قیام کرنا اور مسجد ضرار کو آگ لگا دینے کا حکم دینا ثقافتی مفاسد کے خلاف اسلام کے سخت رویئے کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ یہ مسجد منافقین کی جانب سے لوگوں کو گمراہ کرنے لئے بنائی گئی تھی اور مسلمان معاشرے میں ثقافتی فساد کا باعث بن رہی تھی۔

خلاصہ یہ کہ ثقافت ہی سے انسان کی پہچان ہوتی ہے اور انسانی زندگی کے دوسرے تمام پہلو اس کی ثقافت کے تابع ہوتے ہیں اور یہ ثقافت اندرونی اور بیرونی عوامل سے اثر قبول کرتی ہے اور تمام انسانی اعتقادات، اقدار، نظریات اور علم و دانش، ہنر اور فنون اسی طرح رسوم ورواج اور معاشرتی عادات اس کے تحت تاثیر واقع ہوتی ہیں۔ اعتقادات اور اقدار کا ثقافت کو تشکیل دینے والے اہم ترین عناصر میں شمار ہوتا ہے۔

اسی لئے قرآن مجید نے دینی اعتقادات اور اقدار کے حوالے سے ثقافت کی اہمیت اور معاشرے میں اس کے مقام کو اُجاگر کیا ہے اور اس کی حفاظت کی تاکید فرمائی۔ قرآن مجید کی ان تعلیمات کے برعکس زندگی گزارنے اور ثقافتی مسائل میں سستی و سہل انگاری کی وجہ سے آج مسلمان معاشرے بے شمار مشکلات کا شکار ہو چکے ہیں۔

قرآنی نقطہ نظر سے اگر ہم اپنی موجودہ مشکلات کا جائزہ لیں تو واضح ہو جائے گا کہ ثقافتی مسائل کے بارے میں ہماری غفلت، سستی و سہل انگاری کی وجہ سے ہمارا معاشرہ دلدل میں دھنستا جا رہا ہے، ہماری معیشت سے لے کر تعلیم و تربیت کا نظام، غیر اسلامی ثقافت کے تحت چل رہا ہے جس کے نتیجے میں نہ ہمیں معاشی امنیت حاصل ہے اور نہ اجتماعی امنیت۔ دن بدن ہمارا اجتماعی نظام بگڑ رہا ہے اور ہم اغیار کے دست نگر بن کر رہ گئے ہیں۔ چونکہ ہماری ثقافت ہی تباہ ہو چکی ہے لہٰذا دوسری ہر چیز کی تباہی یقینی ہے۔ یہ قرآن کو تنہا چھوڑنے اور تعلیمات قرآن سے منہ موڑنے کا نتیجہ ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ محمد تقی جعفری، فرہنگ پیرو فرہنگ پیشرو، ص ۳۵

2۔ فیض احمد فیض، پاکستانی کلچر اور قومی تشخص کی تلاش، ص ۲۴۔

3۔ جواد علی، تاریخ العرب والاسلام،، ص ۱۶۹، ۱۷۴، آلوسی، بلوغ الارب، ج۱، ص۴۱

4۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳

5۔ شیرازی مکارم، تفسیر نمونہ ج ۲۷، ص ۲۳۴۔

6۔ امام خمینی، صحیفہ امام، ج۷، ص۵۷

7۔ فیض احمد فیض، پاکستانی کلچر اور قومی تشخص کی تلاش، ص ۲۴۔

8 ۔ایضاً

9۔ سورۂ نحل، آیت ۳۶

10 ۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۶۴

11 ۔ سورہ آل عمران، آیت ۳۳

12۔ سورۂ مجادلہ، آیت ۱۱

13۔ کلینی، الکافی، ج۱، ص۳۰

14۔ کلینی، الکافی، ج۱، ص ۳۴

15۔ شیخ صدوق، الأمالی، ص۱۶۹

16 ۔ مستدرک الوسائل، ج۱۷، ص۳۰۱

17 ۔ بحار الانوار، ج۶۱، ص۲۴۵

18 ۔ روضۃ الواعظین، ج۱، ص ۱۲

19 ۔ سورۂ انفال، آیت ۲۴

20 ۔ سورۂ حدید، آیت ۱۷

21 ۔ سورۂ فصلت، آیت ۳۹

22 ۔ سورۂ انعام، آیت ۱۲۲

23۔ سورۂ فجر، آیت ۲۴

24 ۔ سورۂ فرقان، آیت ۵۸

25۔ شیرازی مکارم، تفسیر نمونہ، ج۷، ص۱۲۸

26۔ سورۂ اعراف، آیت ۹۶

27 ۔ سورۂ مائدہ، آیت ٦٦

28 ۔ سورۂ حج، آیت ۴۰

29۔ طباطبائی، محمد حسین، تفسیر المیزان، ج۱۴، ص ۳۸۴

30 ۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۲۲

31۔ شیرازی، مکارم، تفسیر نمونہ، ج۸، ص ۲۵۵

32 (ایضاً)۔

33 (سورۂ فرقان، آیت ۵۲)۔

34۔ شیرازی، مکارم، تفسیر نور، ج٦، ص۲٦۹

35 ۔ سورۂ علق، آیت ۱۔۵

36۔ شیرازی، مکارم، تفسیر نمونہ، ج۲۷، ص۱۵۹

37۔ سورۂ قلم، آیت ۱

38۔ شیرازی، مکارم، تفسیر نمونہ، ج۲۷، ص۱٦۰

39 ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۴)۔

40 ۔ سورۂ انعام، آیت ۹۳)۔

41۔ سورۂ انعام، آیت ۱۴۴

42۔ سورۂ صف، آیت ۷

43۔ سورۂ قلم، آیت ۱۰، ۸

44۔ سورۂ فرقان، آیت ۵۲

45 ۔ مطہری، مجموعہ آثار، ج۱۷، ص ۲۸۴

46۔ سورہ الحاقہ ، آیت ۴۴، ۴۳

47 ۔ سورۂ کہف، آیات، ۹تا۲۰

48 ۔ سورہ توبہ، آیت ۱۰۷

49 ۔ مسجد ضرار کا واقعہ سورہ توبہ ۱۰۷تا۱۱۰ میں بیان ہوا ہے